© rasailojaraid.com

حرف اور اریب نے تبدیل نے

(دوسری قسط)

تحریر: مولانا منظور احمد آفاقی 'تونسہ تک محمید' ڈیرہ غازی خان

کَادُوا یَکُونُونَ عَلَیہِ لِبَدًا

جناب ورقہ بن نوفل کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اس "ناموس" کو لوگ ٹھنڈے پیٹوں قبول نہیں کریں گے۔ وہ امم گزشتہ کی روش سے بھی آگاہ تھے اور معاصرین عرب کی افتاد طبع سے بھی غافل نہیں تھے۔ انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ اس وحی خداوندی کے خلاف شدید مزاحمت کی جائے گی۔ کچھ بعید نہیں کہ حق کے علمبردار کو شہر بدر کر دیا جائے۔ اس تصور سے وہ کانپ اٹھے اور بے اختیار بولے:

" یا لیتنی! فیها جذعا، لیتنی! آکون حیا، اذیخرجک قومک،
----نعم، لم یا ت رجل قط بمثل ما جئت به الا عودی،
وان یدرکنی یومک انصرک نصرا موزرا" (۱۱٤)

اے کاش! اُن دنوں تک (میری عمر لمبی ہوتی)
مَیں کاش! جیتا رہتا
(ہوتے قُویٰ سلامت) عہد شباب ہوتا
جب آپ کو یہ ہم قوم
اس شہر ہی سے اک دن باہر نکال دیں گے
جی ہاں! ازل سے اب تک ایسا ہی ہوتا آیا
جب بھی کوئی پیامی، ایسا پیام لایا
جو آپ لے کے آئے
دشمن ہوئے اُسی کے، اپنے بھی اور پرائے
مَیں نے اگر وہ پایا، (بگڑا ہوا) زمانہ
تو آپ کا عزیزم! بھرپور ساتھ دوں گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ورقہ کااندیشہ درست ثابت ہوا۔ قرآن کی باطل شکن آواز بلند ہوئی تو جاہلی معاشرے میں ہلچل مچ گئی۔ جن لوگوں کے مفاد پر زد پڑتی تھی وہ اس کے خلاف صف آراء ہو گئے اور اس شمع ہدایت کو گل کرنے کے لئے اعتراضات اور اتہامات کے اوچھے ہتھیار لے کر ٹوٹ پڑے۔

ا۔ کلام اللہ یا قول البشر

عرب سخن شناس تھے۔ قرآن کی زبان سے بے حد متاثر ہوئے۔ اس کے ادبی محاسن سے لطف اندوز ہوتے تھے لیکن دوسری طرف جب اس کے معانی پر غور کرتے تو محسوس کرتے تھے کہ یہ کلام انہیں آبائی دین سے برگشتہ کر دے گا۔ لہذا اس پر طرح طرح کے اعتراض کرنے لگے۔ ولید کہنے لگا "ان ھذا الا قول البشر" (۱۱۵) یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے بھی بول اُٹھے، "لو نشآء لقلنا مثل ھذا" (۱۱۶) اگر چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی بنا سکتے ہیں۔ ان عقل کے اندھوں کو جہالت کی تاریکیوں میں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ان کے ہاں وقعت تھی تو امراًالقیس کے فحش کلام کی یا روم و فارس سے درآمد کی ہوئی بے سروپا اور خیالی کہانیوں کی۔ انہوں نے قرآن کا مذاق اُڑایا، اسے کلام محمد ﷺ ٹھہرایا، اور کہتے پھرے کہ اس جیسا کلام ہم بھی تصنیف کر سکتے ہیں۔ انہیں قرآن کی زبان میں جواب دیا گیا۔

(ا) "ام یقولون تقوله بل لایؤ منون فلیأ تو الجدیث مثله ان کانوا صٰدقین" (۱۱۸)

کیا کہتے ہیں کہ اس شخص نے قرآن خود بنالیا ہے، بلکہ یہ خود ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر یہ لوگ اپنی بات میں سچے ہیں تو اس معیار کا کلام بنالائیں۔ پھر اس چیلنج میں تخفیف کر کے کہا گیا۔

(ب) "ام یقولون افترٰله قل فأتو البعشر سور مثله مغتریٰت"۔ (۱۱۸)

کیا کہہ رہے ہیں کہ اس نے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ کہو، چلو ایسا ہے تو اس جیسی دس سورتیں تم بھی گھڑ کر لے آؤ۔

اس تحدّی میں مزید تخفیف کی گئی۔

(ج) "وان کنتم فی ریب ممّانزّلنا علی عبد نا فأ تو ابسو رة من مثله"۔ (۱۱۹)

اگر تمھیں اس کلام میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے تو تم اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس چیلنج پر چودہ صدیاں بیت گئی ہیں لیکن کسی سے قرآن کے معیار کی ایک سورۃ بھی نہ بن سکی (اور نہ کبھی بن سکے گی)۔ جس کلام کی فصاحت وبلاغت کے آگے دنیا بھر کے ادیب اور شاعر سپر انداز ہو چکے ہیں، وہ کلام خدا نہیں تو اور کیا ہے ؟

مضت الدھور و ما اتین بمثلہ   ولقد اتی فعجزن عن نظرا ئہ

زمانے بیت گئے لیکن اُس جیسا نہ لا سکے، وہ آچکا اور اُس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

۲۔ سحر دل آویز یا سحر مفتریٰ

عربوں کو اپنی زبان پر ناز تھا، وہ اپنے ادبی سرمائے پر فخر کرتے اور دنیا بھر کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔ جب قرآن نے زبان کھولی، فصاحت وبلاغت کے موتی بکھیرے اور زبان وبیان کے اسرار ورموز کھولے تو لمحہ بھر کے لئے بڑے بڑے زبان آور مبہوت ہو گئے، دوسروں کو گونگا کہنے والی زبانیں گنگ ہو گئیں، چراغوں میں روشنی نہ رہی، وہ حیران تھے کہ اس دل میں اترنے والے کلام کو کیا نام دیں۔

کسی نے کہا "یہ شاعری ہے"

کوئی بولا "یہ کہانت ہے"

کسی نے ہانک لگائی "یہ دیوانگی ہے"

کچھ لوگ دور کی کوڑی لائے "یہ خواب کی باتیں ہیں"۔

پھر سب نے یک زبان ہو کر اعلان کیا "یہ جادو ہے"۔

قرآن نے ان سب الزامات کا جواب دیا :

"وما ھو بقول شاعر"۔(۱۲۰) یہ شاعری نہیں ہے۔

" ولا بقول کاھن" (۱۲۱) یہ کہانت نہیں ہے۔

"وما صا حبکم بمجنون" (۱۲۲) تمھارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔

"ما ضل صا حبکم وما غوی" (۱۲۳) تمھارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا۔

"کذٰلک ما اتی الذین من قبلھم من رسول الاّ قالوا ساحرا و مجنون" (۱۲۴)

ان سے پہلے جب بھی کوئی رسول آیا تو اس قماش کے لوگ اسے جادوگر یا دیوانہ مشہور کرتے رہے۔

بلاشبہ قرآن شعر نہیں ہے لیکن اپنے اندر شعر سے بڑھ کر تناسب اور روانی رکھتا ہے۔ اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیب کی خبریں اور مستقبل کے واقعات کا ذکر ضرور ہے لیکن یہ کہانت کی کثافت سے آلودہ نہیں ہے، یہ کسی مجذوب کی بڑ نہیں، کسی دیوانے کی بے تکی باتوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ انسان سے بھی بالاتر ہستی کا کلام ہے۔ اس کا دامن سچائیوں اور حقائق سے مالا مال ہے جن کا تعلق خواب و خیال سے نہیں بلکہ حس اور مشاہدہ سے ہے۔ مشرکین مکہ نے اسے جادو کا نام دیا تھا۔ جی ہاں یہ جادو ہے، کالا نہیں بلکہ سفید، مضر نہیں بلکہ مفید، یہ کسی کو گھائل نہیں کرتا بلکہ دلیل وبرہان سے قائل کرتا ہے۔

نقش قرآں تادریں عالم نشست — نقش ہائے کاہن و پاپا شکست
فاش گویم آنچہ دردل مضمراست — ایں کتابے نیست چیزے دیگراست

۳۔ شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے

مکہ مکرمہ میں ایک رومی غلام رہتا تھا جسے توریت اور انجیل کی کچھ نہ کچھ شدبد حاصل تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا گزر اس کے پاس سے ہوتا تو ایک آدھ بات اس سے بھی کرلیا کرتے تھے۔ مخالفین اس راہ ورسم کو دیکھ کر کہنے لگے کہ محمد ﷺ اس غلام سے مضامین حاصل کر کے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل ہوا ہے۔ قرآن نے اس لغو اور بے سروپا الزام کا جواب اپنے مخصوص انداز میں کچھ یوں دیا ہے :

"ولقد نعلم انهم يقولون انما يعلمه بشر لسان الذى يلحدون اليه اعجمى وهذالسان عربى مبين"۔(۱۲۵)

بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ وہ (آپ کے متعلق) کہتے ہیں کہ انہیں ایک شخص پڑھاتا ہے۔ حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے اس کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان ہے۔

زبان وبیان اور تحریر و تقریر کے میدان میں اہل زبان کو جو قدرت حاصل ہوتی ہے، غیر اہل زبان لاکھ کوشش کے باوجود اسے نہیں پا سکتے۔ ان کی زبان لڑکھڑاتی اور قلم ٹھوکر کھاتا ہے وہ قدم قدم پر اہل زبان کے محتاج ہوتے ہیں۔ بیساکھیوں کے سہارے چلنے والوں سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ آہو کو سبک خرامی کے انداز سکھائیں گے۔ کوئلے سے یہ امید لگانا فضول ہے کہ وہ ہیرے کو آب و تاب بخشے گا۔ مگس سے یہ آرزو حماقت ہوگی کہ وہ گل کو رنگ وبو میں بسائے گی۔ کیا کبھی کوے سے شاہین نے بلند پروازی کا درس لیا ہے ؟

قرآن اور عربی ادب سے ذرا نیچے آیئے، اردو ادبیات ہی کو لیجئے، کیا کوئی ذی شعور یہ باور کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے گا کہ غالب کی رہنمائی ماہرین سنسکرت کیا کرتے تھے، اقبالؒ کے کلام کی نوک پلک پروفیسر آرنلڈ (Arnold) سنوارا کرتے تھے، شبلیؒ کے سرمایہ علم کا ماخذ وید اور گرنتھ تھے، لغت اور ڈکشنری کی مدد سے بولنے اور لکھنے والوں نے اہل زبان کو کب پڑھایا ہے؟ کیا اٹک اٹک کر عربی بولنے والے ایک رومی غلام سے قرآن جیسے فصیح وبلیغ کلام کا صدور ممکن ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس نے اپنا چراغ خود کیوں نہ روشن کیا، دوسروں کو تیل کیوں مہیا کرتا رہا؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔

۴۔ ایں گل دیگر شگفت! علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں

"ایک ثقہ شخص نے مجھے بتایا ہے کہ ایک عیسائی کہہ رہا تھا کہ تمھارے نبی (ﷺ) کے پاس غار حراء میں دو آدمی، ایک عیسائی اور دوسرا یہودی آتے، اور انہیں تعلیم دیتے تھے۔ حالانکہ میں نے یہ بات کسی مشرک (مکہ) سے نہیں سنی، یہ ایک ایسا جھوٹ ہے جس کے پاؤں نہیں اور ایسا بہتان ہے جس میں کوئی شبہ نہیں"۔ (۱۲۶)

مت ماری گئی تھی اُن دو افراد کی، عبداللہ کے یتیم کو قرآن املاء کرا کے انہوں نے کیا پایا؟ انہوں نے خود دعویٰ نبوت کیوں نہ کیا؟ آخرت نہ سہی دنیا تو سنور جاتی۔ حسنین ہیکل مصری نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ عیسائی مشنریوں کے طرف سے یہ شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ پیغبر اسلام غار حراء میں چھپ چھپ کر بائیبل کا مطالعہ کرتے تھے۔ جب پوری کتاب پڑھ لی تو دعویٰ نبوت کر دیا اور قرآن کے نام سے جو کتاب لوگوں کے سامنے پیش کی اس کا سارا مواد انہوں نے بائیبل سے حاصل کیا تھا۔ (۱۲۷)

یہ بھی سفید جھوٹ ہے۔ رسول ﷺ امّی لقب تھے۔ کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تھا۔ اعلان نبوت سے پہلے کسی کتاب سے آشنا نہ تھے۔ بائیبل کوئی مختصر سا کتابچہ نہیں ہے بلکہ ایک ضخیم اور طویل کتاب ہے۔ اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے اچھی خاصی تعلیم چاہیے۔ معمولی پڑھا لکھا شخص اس پر حاوی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ایک اُمی اسے مکمل پڑھ جائے عرب کہا کرتے ہیں "اثبت العرش ثم انقش" (پہلے عرش پھر نقش) بائیبل کا پڑھنا اور اس سے مضامین اخذ کرنا تو الگ رہا پہلے نبی امی کا پڑھا لکھا ہونا تو ثابت کرو۔

نگار من کہ بمکتب نہ رفت وخط نہ نوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

تعصب کی آگ میں سوختہ لوگ تو آنکھیں بند کر کے یہ الزام عائد کر دیتے ہیں کہ قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بائیبل سے ماخوذ ہے لیکن فہم و فراست رکھنے والے مخالفین کو اس میں تامل ہے۔ راڈوایل (Rodwell) کی سنئے :

"ہمارے پاس اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ ہماری کتب مقدسہ کبھی محمد (ﷺ) کو دستیاب ہوئی ہوں"۔ (۱۲۸)

پادری فنڈر بھی راڈویل کا ہمنوا ہے :

"پیغمبر عرب (ﷺ) توریت و انجیل نہیں پڑھے تھے"۔ (۱۲۹)

ان الزامات کی تردید نزول قرآن کے انداز سے بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ کتاب یکبارگی نازل نہیں ہوئی، تمام مضامین اکٹھے آنحضرت ﷺ کے پاس نہیں پہنچے بلکہ تیئیس سال کے عرصے میں حالات اور ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا قرآن نازل ہوتا رہا، لہذا یہ تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس طویل عرصے میں پیش آنے والے واقعات اور اس دوران پیدا ہونے والے سوالوں کے جوابات کسی نے آپ کو شروع میں پڑھا دیئے ہونگے یا آپؐ نے خود ہی یہ پڑھ لئے ہونگے۔

کتب تفسیر و حدیث اور سیرت و تاریخ میں ایسے متعدد واقعات درج ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا گیا اور آپؐ نے اسے خود حل کرنے کے بجائے وحی کا انتظار کیا۔ اگر آپؐ کو غار میں قرآن پڑھا دیا گیا تھا اور اس پیش آمدہ مسئلے کا حل آپؐ جانتے تھے تو انتظار کی زحمت کیوں اُٹھائی ؟ مشتے نمونہ از خروارے چند واقعات پر نظر ڈالئے :

(الف) مشرکین مکہ نے (غالباً یہودیوں کی انگیخت پر) رسول اللہ ﷺ سے کچھ سوالات پوچھے تھے جن کا مقصد طلب ہدایت نہ تھا بلکہ وہ آپؐ کا امتحان لے رہے تھے کہ آپ اپنے دعویٰ نبوت میں کہاں تک سچے ہیں۔ مثلاً،

۱۔ اصحاب کہف کون تھے ؟ ۲۔ قصہ موسیٰ و خضر کی حقیقت کیا ہے ؟ ۳۔ ذوالقرنین کون تھا اور اس نے کونسی مہمیں سر کیں ؟ ۴۔ بنی اسرائیل مصر تک کیسے پہنچ گئے، حالانکہ ان کے آباؤاجداد کنعان میں رہتے تھے ؟

نبی اکرم ﷺ نے ان سوالات کا جواب خود نہیں دیا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا "سورۃ کہف" اور "سورۃ یوسف" نازل ہوئیں جن میں ان سوالوں کے تسلی بخش جواب موجود تھے۔

(ب) مدینہ منورہ میں قبیلہ خزرج کی ایک خاتون خولہ بنت ثعلبہ سے ان کے خاوند اوس بن صامت نے اظہار کیا تھا وہ محترمہ شکایت لے کر بارگاہ نبوت میں پہنچیں اور فریاد کی کہ انہیں اور ان کے بچوں کو تباہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے سے بچائیں کوئی ایسی صورت نکالیں کہ ان کا گھر پھر سے آباد ہو جائے۔ آپؐ نے توقف فرمایا اتنے میں "سورۃ مجادلہ" نازل ہوئی اور مسئلے کا حل نکل آیا۔

(ج) امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی۔ زوجہ رسول اور مسلمانوں کی روحانی ماں پر تہمت دھرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا اسے منافقوں کے سوا ہر مسلمان نے شدّت سے محسوس کیا۔ جناب سرکار رسالتمآب ﷺ سخت آزردہ خاطر ہوئے۔ امّ المومنینؓ غم واندوہ میں ڈوب گئیں۔ شہر کا ماحول ایک مہینہ تک مسلسل کشیدہ رہا پھر "سورۃ نور" نازل ہوئی جس میں امّ المؤمنینؓ کی صفائی اتری تو لوگوں نے اطمنان کا سانس لیا۔

ان واقعات پر غور کریں۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے غار حراء میں بیٹھ کر مکمل قرآن حاصل کر لیا تھا تو ان سانحات میں فوراً فیصلہ کیوں نہ صادر فرمایا؟ وحی کی راہ کیوں دیکھا کئے تکلیف واضطراب کا شکار کیوں رہے؟ ان سوالات کا فقط ایک ہی جواب ممکن ہے کہ نبی امی ﷺ نے قرآن نہ تو علماء یہود و نصاریٰ سے حاصل کیا اور نہ بائیبل سے استفادہ کیا، بلکہ (فرشتے کی وساطت سے) اللہ تعالیٰ سے پایا تھا۔

ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا، کوئی ٹھوس ثبوت رکھتے ہو تو پیش کرو۔

جامی نشان منزل مقصودمی دہد
اے سالکان راہ طلب این تزھبون؟

۵۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

قرآن کی روزافزوں مقبولیت اور وسیع پیمانے پر نشر واشاعت سے مخالفین بوکھلا اٹھے، حاملین توراۃ وانجیل میں قرآن کی تعمیری تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ انھوں نے پلٹ کر قرآن پر حملہ کر دیا اور اس پر بے سروپا الزامات اور اتہامات کی بوچھاڑ کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ شام کی طرف تجارتی سفر کیا تھا۔ راستے میں بحیرا نامی راہب کی خانقاہ میں ٹھہرے۔ اس راہب نے آپؐ کو پہچان لیا اور ابو طالب سے کہا کہ انھیں شام نہ لے جائیں مبادا یہودی ان کی جان کے درپے ہو جائیں۔ چنانچہ آپؐ کے چچا نے آپؐ کو وہیں سے حضرت ابو بکرؓ کی محبت میں مکہ کی طرف واپس بھیج دیا۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کو حضرت بلالؓ کے ساتھ مکہ بھیجا۔ اس روایت میں مستشرقین نے اپنی طرف سے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مضمون کا بھی اضافہ کر دیا ہے کہ بحیرا راہب نے اپنی خانقاہ میں (حضرت) محمد (ﷺ) کو آسمانی کتابوں کی تعلیم دی دے تھی۔ کیونکہ جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت کیا اور لوگوں کو قرآن کی زبان میں عقائد، عبادات وغیرہ کی تعلیم دی تو اس میں بحیرا راہب کی تعلیمات کا اثر نمایاں تھا۔ یہ روایت مسلمانوں اور مسیحیوں دونوں کے ہاں مقبول ہے، لیکن محدثین نے اس پر شدید جرح و تنقید کی ہے۔

۱۔ امام ترمذیؒ نے اسے "حسن غریب" کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم اسے اس طریق (سند) کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں جانتے۔(۱۳۰)

۲۔ اس کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے۔ اگرچہ چند محدثین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے لیکن اکثریت نے اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا۔ اس نے ایک مقام پر حدیث ممالیک (غلاموں کی روایت) بیان کی ہے جسے سب محدثین نے موضوع (جعلی اور من گھڑت) قرار دیا ہے۔ علامہ ذھبیؒ اسکی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ منکر روایتیں بیان کرتا ہے اور سب سے بڑی منکر روایت اس نے بحیرا راہب والی بیان کی ہے۔ اس روایت میں ایک ایسی شہادت موجود ہے جو اسے باطل ٹھہراتی ہے اور وہ یہ الفاظ ہیں :

"وردّه ابو طالب، وبعث معه ابوبكر بلالا و بلال لم يكن خلق بعد و ابوبكر كان صبيا"(۱۳۱)

(ترجمہ) ابو طالب نے آپ کو واپس بھیج دیا اور ابو بکر نے بلال کو آپ کے ساتھ کر دیا۔ حالانکہ بلال ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور ابو بکر خود بچے تھے۔

۳۔ محدث حاکمؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہے یعنی صحیح ہے۔ علامہ ذھبیؒ نے ان کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے میں اس کے بعض واقعات کو موضوع (خود ساختہ) خیال کرتا ہوں۔(۱۳۲)

۴۔ علامہ ابن حجرؒ اس روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن چونکہ حضرت ابو بکرؓ اور بلالؓ کی شرکت قطعاً غلط ہے اس لئے وہ صرف اسی اضافے کو غلط قرار دیتے ہیں۔ کاش وہ اس کے رواۃ پر نظر کرتے اور صرف عبدالرحمٰن بن غزوان ہی کو دیکھ لیتے جس کے بارے میں انھوں نے "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ وہ خطاء کرتا تھا۔(۱۳۳) ایک راوی کے مجروح ہونے سے روایت کہاں صحیح رہی؟

۵۔ حضرت بلالؓ کی پیدائش اس واقعہ سفر کے بعد ہوئی تھی لہذا ان کا اس روایت میں ذکر سفید جھوٹ ہے۔ **رہے حضرت ابو بکرؓ تو صحیح روایات کی رو سے وہ اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔ اگر اس مجروح روایت کی بنا پر ان کی شرکت مان لی جائے تو اُن کی عمر اس وقت دس سال کے لگ**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھگ تھی۔ کیا اس عمر کا بچہ اپنے ساتھی کو (اس زمانے کے سفر کی صعوبتوں کے پیش نظر) شام سے مکہ واپس لا سکتا ہے؟

۶۔ روایت میں اصل (متنازعہ فیہ) مسئلہ بحیرا کی تعلیم کا ہے۔ یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے ان سب روایتوں میں متفقہ بات صرف اتنی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بحیرا راہب سے فقط ملاقات ہوئی تھی۔ تعلیم اور تلقین وغیرہ کا ذکر کسی روایت میں نہیں ملتا۔ مخالفین نے اس میں یہ مضمون اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔ جسے عقل سلیم کسی طرح قبول نہیں کرتی کیونکہ جن کتابوں کو پڑھنے کے لئے یہودی اور عیسائی علماء کئی سال صرف کرتے ہیں ان کی تعلیم ایک ہی ملاقات میں ایک بارہ برس کے بچے کو کیسے دے دی گئی اور اگر یہ کوئی خرق عادت معاملہ تھا تو بیچارے بحیرا کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

۷۔ صحیح روایات میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مشرکانہ ماحول سے سخت نفرت تھی۔ بچپن ہی سے آپؐ اپنی قوم کی رسوم سے بیزار تھے۔ سن شعور کو پہنچے تو قوم سے علیحدگی اختیار کر لی، شہر سے باہر غار حراء میں تشریف لے جاتے دو دو تین تین دن مسلسل وہاں قیام فرماتے کھانے کے لئے ستو ساتھ لے جاتے یہ توشہ ختم ہوتا تو واپس آتے۔ رفیقہء حیات پھر سے ستو فراہم کرتیں۔ آپؐ خوراک لے کر پھر غار کا قصد فرماتے اور اپنی زیادہ تر وقت ذکر خدا میں بسر کرتے۔ چالیس سال کی عمر تک آپؐ کا یہی معمول رہا۔ اگر بحیرا راہب نے آپ کو بچپن ہی میں "سب کچھ" عطا کر دیا تھی تو چالیس برس کی عمر تک اسقدر مشقت اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپؐ نے سن شعور میں آتے ہی بحیرا راہب کی عطا کردہ تعلیم پر غور کیوں نہ کیا؟ انتہائی تعجب کی بات ہے کہ آپؐ قوم کی حالت زار پر کُڑھتے رہتے تھے لیکن ان کے درد کے درماں کو عرصہ دراز تک چھپائے رکھا! کیا کوئی صاحب **عقل اس افسانے کو سچ اور حق تسلیم کرے گا؟**

مالکم کیف تحکمون؟

۸۔ **سہولت پسند لوگ گزشتہ قوموں کے واقعات سے آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تاریخ کی** کوئی سی کتاب اٹھا کر مطالعہ کرتے ہیں انھیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ اس کتاب میں درج **واقعات کہاں تک صحیح ہیں اور ان میں کس قدر مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ لیکن محققین ایک ایک واقعہ کی تہہ** تک پہنچتے ہیں ان کی نظر واقعات کے تسلسل اور **مضامین کی رنگین بیانی تک محدود** نہیں رہتی بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مؤرخ اور مصنف نے کہاں تک سچ کا ساتھ دیا ہے اور کہاں اسے ٹھوکر لگی ہے۔ وہ غلط بیانی پر **گرفت کرتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ ان واقعات کو پڑھ کر جھوٹ کو سچ نہ سمجھ لیں۔ مولانا شبلی نعمانیؒ**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے "سیرۃ النبی" (جلد اول) کے مقدمہ میں اس موضوع پر بہت عمدہ اور مفصل بحث کی ہے (جو اُردو دان طبقے کے لئے کافی ہے) سیرت یا تاریخ کی کسی کتاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس بحث پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ مولانا مرحوم نے اہل یورپ کی تاریخ نوسی کے بارے میں لکھا ہے :

""اس قسم (سیرت وسوانح یا تاریخ نگاری) کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جن کے راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔" (۱۳۴)

اسی اصول کے تحت مستشرقین نے بحیرا راہب کی داستان کو بھی اپنی کتابوں کی زینت بنایا ہے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس کہانی میں سچ کا عنصر کتنا ہے اور جھوٹ کی آمیزش کس قدر ہے۔

۹۔ مولانا شبلیؒ نے غیر محتاط سیرت نگاروں پر بھی گرفت کی ہے اور تنبیہ کی ہے کہ ان کی کتابوں میں درج ہر روایت کو تحقیق کئے بغیر قبول نہ کیا جائے۔ مرحوم لکھتے ہیں :

"سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابوں (طبرانی بیہقی ابو نعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے ان میں کثرت سے کمزور روایتیں درج ہو گئیں اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر (سیرت کی کتابیں) میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں۔۔۔ سیرت میں اگلوں نے جو کتابیں لکھیں ان سے ما بعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں انہیں کے نام سے کیں ان کے مستند ہونے کی بنا پر لوگوں نے ان تمام روایتوں کو معتبر سمجھ لیا اور چونکہ اصلی کتابیں ہر شخص کو ہاتھ نہیں آسکتی تھیں اس لئے لوگ راویوں کا پتہ نہ لگا سکے اور رفتہ رفتہ یہ روایتیں تمام کتابوں میں داخل ہو گئیں۔۔۔ بخلاف اس کے اسلامی مورخ نہایت سچائی اور انصاف اور خالص بے طرف داری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے۔۔۔ اس کا قبلہ مقصد صرف واقعیت ہوتی ہے وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان کر دیتا ہے" (۱۳۵)

مولانا مرحوم نے "مقدمہ" میں فن تاریخ اور سیرت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور "سیرۃ النبی" کی تدوین میں بھی سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ متعدد غیر صحیح واقعات پر تنقید کی ہے اور اس کی پروا نہیں کی کہ ان واقعات اور روایات کے بیان کرنے والے کون تھے۔ چنانچہ بحیرا راہب کی روایت مختصر طور پر لکھنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے اس روایت کے جس قدر طریقے (سندیں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں سب مرسل ہیں' یعنی راوی اول واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا اور اس راوی کا نام نہیں بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا"۔(۱۳۶)

۱۰۔ مولانا شبلیؒ نے "روایت بحیرا راہب" پر سیرۃ النبیؐ جلد اول میں سخت تنقید کی ہے اور اسے نا قابل اعتبار قرار دیا ہے لیکن ان کے شاگرد سید سلیمان ندویؒ سیرۃ النبی کی تیسری جلد میں اسے علی سبیل التنزل قبول کرتے ہوئے اور عیسائیوں پر حجت قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اگرچہ یہ واقعہ ۔۔۔۔۔۔ صحیح نہیں ہے تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک و شبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا، اگر یہ صحیح ہے تو دنا کے لئے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اور کیا چاہیئے کے ایک ابجد ناشناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک شریعت عظمیٰ کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لیے۔ کیا اہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں'؟(۱۳۷) لیکن مولانا کے اس سوال کا جواب آج تک کسی عیسائی نے نہیں دیا۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

قرآن اور بائیبل میزان عدل میں گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران قرآن کو جس کثرت سے پڑھا گیا ہے اتنی کثرت سے شائد کسی کتاب کو پڑھا گیا ہوگا۔ اپنوں نے عقیدت سے پڑھا اور غیروں نے تنقیدی نظر سے۔ لیکن کوئی انصاف پسند آج تک اس پر انگلی نہیں اُٹھا سکا۔ بارہا ایسا ہوا کہ اہل علم نے قرآن کے قدیم ترین نسخے اکٹھے کئے انہیں آپس میں ملا کر پڑھا گیا پھر جدید نسخوں سے ان کا تقابل کیا گیا، قرأت کے چند اخلاقیات کے سوا انہوں نے **سب نسخوں کو یکساں پایا** اور اعتراف کیا کہ اس کتاب کا **متن حیرت انگیز طور پر محفوظ اور تحریف سے پاک ہے۔ ناقدین نے قرآن اور بائیبل کا بھی تقابلی مطالعہ (Comparative Study) کر کے دیکھا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بائیبل صحت کے اس درجے تک نہیں پہنچتی** جس پر قرآن فائز ہے۔

ایں زمیں را آسمانے دیگر است

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے جو تورات لائے تھے وہ پتھر کی تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ اس کے الفاظ اور معانی دونوں من جانب اللہ تھے۔ دیگر انبیاء کرام پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے الفاظ اور معانی بھی اللہ تعالی کی طرف سے تھے۔آخری نبی ﷺ پر جو کتاب (کتاب) قرآن نازل ہوئی اسکا انداز بھی پہلی کتابوں جیسا تھا اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ تمام کتب اور صحائف جب تک محفوظ رہے ان میں انسانی کلام کی آمیزش نہیں ہوتی لیکن مرور ایام سے ان کتابوں میں تحریف نے راہ پالی۔ حتی کہ آج یہ کتابیں (ماسوائے قرآن کے اپنی شکل و صورت میں باقی نہیں رہیں۔ مستشرقین کی اکثریت آسمانی کتابوں کو انسانی تصانیف قرار دیتی ہے۔ ان کے خیال میں اللہ تعالی نے اپنا کلام الہام کی شکل میں انبیاء کرام پر نازل کیا جسے انہوں نے اپنے الفاظ میں لوگوں تک پہنچایا ۔ چنانچہ پال ارنسٹ لکھتے ہیں :دنیا میں کئی مذاہب موجود ہیں اور ان مذہبوں کو ماننے والے اپنے اپنے مذہبی مقدس
کتاب کو خدا کا کلام تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن خدا کے کلام کے بارے میں انکے نظریے مختلف ہیں بعض لفظی الہام مانتے ہیں اور بعض معنوی۔

لفظی الہام سے مراد یہ ہے کہ پاک کتاب کے الفاظ عین خدا کے الفاظ ہیں۔ لیکن معنوی الہام کا مطلب یہ ہے کہ مقدس کتاب کے متن کا مفہوم اور مطلب خدا کی طرف سے ہے اسکے الفاظ اور اسکا طرز بیان انسانی مصنف کا ہوتا ہے۔ ہم مسیحی لوگ الہام کی اسی قسم کے معتقد ہیں کہ بائبل کی کتابیں لکھنے والے انبیاء ء اور ملہمین خدا کی باتوں کو اپنے الفاظ میں اور اپنے طور پر ادا کیا کرتے تھے۔ الہام کا یہی طریق خدا کی حکمت وشان اور انسان کے حسب حال ہے۔"(۱۳۸)

"الہامی کتاب کے الفاظ خدا کے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ خدا کے خیال کے مفہوم کو ادا کرنے والے انسانی الفاظ ہوتے ہیں"۔(۱۳۹)

فادر آٹو پوسٹما لکھتے ہیں :

"ہم ایک اسلامی ماحول میں رہتے ہیں جس کا اثر ہم پر خود بخود ثبت ہوتا ہے۔ ہماری سوچ اُن کی سوچ میں ڈھل جاتی ہے۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن پاک آسمان **سے اُتری ہوئی کتاب ہے۔ لہذا اہمت سے مسیحی بھی اپنے پاک کلام کے متعلق ایسی ہی رائے رکھتے ہیں کہ یہ آسمان سے اُتری ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پاک کلام انسانوں کی تخلیق کردہ کتاب ہے جسے انہوں نے خدا کے الہام سے معمور ہو کر نہایت محنت سے اپنی ذہنیت، اپنے** ماحول اور اپنی قابلیت کے مطابق قلمبند کیا لیکن پھر بھی ہو ایک الہی کتاب ہے جس کے ذریعے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا نے اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ اس لحاظ سے پاک کلام ایک پاکیزہ کتاب ہے مگر کسی طرح بھی آسمان سے اُتری ہوئی کتاب نہیں بلکہ اس کے مصنفین عام انسان تھے"۔(۱۴۰)

عیسائی اپنی کتاب مقدس "بائیبل" کو "خدا کا کلام" اس معنی میں نہیں کہتے جس معنی میں ہم "قرآن حکیم" کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں۔ اسی طرح الہام کے مفہوم میں بھی ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق اللہ کا کلام یا الہام کبھی کسی نبی پر اور کبھی کسی عام آدمی پر نازل ہوتا ہے۔ پھر وہ اسے اپنے الفاظ میں بیان کرتا اور قلمبند کرتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہیں اور اس میں کسی انسانی کلام کی آمیزش نہیں ہوئی چہ جائیکہ پورے قرآن کو (بائیبل کی طرح) ایک انسانی تصنیف قرار دیا جائے جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ بہت بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ وانّھم لیقولون منکرامن القول وزورا۔

تورات کا مصنف کون ہے؟ تورات اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل تھی اسے کسی انسان نے تصنیف نہیں کیا تھا لیکن آج مستشرقین کے حلقے میں بائیبل کی پہلی پانچ کتابوں، پیدائش (یا تکوین)، خروج، احبار، گنتی (یا عدد) اور استثنا (یا تثنیہ شرع) کو "تورات" کہا جاتا ہے۔ یہودی اور مسیحی روایت کے مطابق ان پانچ کتابوں کے مصنف خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔(۱۴۱)۔ ایف ایس خیر اللہ لکھتے ہیں،

"توریت خود اس بات کی داعی ہے کہ موسیٰ ہی اس کا مصنف ہے۔ باقی تمام "عہد عتیق" کے حوالے، نیز "عہد جدید" کے حوالے بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہ موسیٰ ہی کی تصنیف ہے"۔(۱۴۲)

لیکن یہ دعویٰ اس وقت مشکوک ہو جاتا ہے جب قاری تورات کی آخری کتاب "استثنا" کا آخری باب پڑھتا ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور تدفین وغیرہ کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ باب الحاقی ہے جو کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد لکھ کر تورات میں شامل کر دیا ہے۔

فادر آٹو پوسٹما لکھتے ہیں:

"تورات کا ڈھانچہ ایک شخص بنام عزرا نے بنایا۔ کیونکہ وہی یہودی تہذیب و تمدن سے بخوبی واقف تھا۔ اُس نے یہودیوں کے رسم و رواج کو قلمبند کیا اور ضرورت کے مطابق اس میں ترمیم اور رد و بدل بھی کی۔ اس نے اس مجموعے کا نام "تورات" رکھا۔

۔۔۔۔۔۔ یہ کتاب "پاک کلام" کی سب سے پاک کتاب سمجھی جاتی تھی۔ اتنی پاک کہ اُن (یہودیوں) کے خیال میں عزرا جیسا معمولی آدمی اس کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس لئے تورات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی قلمبندی موسیٰ سے منسوب کی گئی"۔(۱۴۳)

فادر موصوف کی اس تحریر سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس اصل تورات موجود نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ (یا اُن کی اپنی تصنیف و تالیف شدہ) تورات گم ہو گئی یا جل کر ضائع ہو گئی تھی اور کسی شخص کو یہ کتاب زبانی یاد بھی نہیں تھی کہ دوبارہ لکھ لی جاتی۔ حضرت عزیز علیہ السلام نے زمانہ اسیری کے بعد اسے از سر نو تحریر کیا اور اس میں حالات و واقعات کے مطابق ترمیم اور ردوبدل بھی کیا' پھر یہودیوں نے اس نئی مرتب شدہ تورات کو ان کی طرف منسوب کرنے کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ۔اگر فادر موصوف کا بیان حقیقت پر مبنی ہے۔ تو پھر تورات کی پانچوں کتابیں تنقیدات عالیہ کا سامنا کیسے کر سکتی ہیں ؟ اسکے بر عکس قرآن حکیم اپنے وقت نزول ہی سے تحریر اور حفظ دونوں ذریعوں سے تھوسط چلا آتا ہے۔ ہر زمانے میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت اسے پڑھتی چلی آئی ہے۔ کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں قرآن حکیم مکمل طور پر گم ہو گیا ہو یا کاغذوں سے محو اور حافظوں سے غائب ہو گیا ہو اور مسلمان بغیر کتاب کے رہ گئے ہوں۔ دور غلامی میں مخالفین کی طرف سے اسکے مٹانے کی کوششیں کی گئیں لیکن مسلمانوں نے اسکی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی اگر خدانخواستہ قرآنی نسخے جمع کر کے تلف کر دیئے جاتے تو حفاظ کی مدد سے اسے پھر سے لکھا جا سکتا تھا (لیکن آج تک ایسی صورت حال کبھی پیدا نہیں ہوئی) ہم یہ بات علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ اللہ کا یہ کلام جس شکل میں نازل ہوا اور دور نبوّت میں جس انداز سے مرتب ہوا اسی ترتیب سے آج سینوں اور سفینوں میں موجود ہے۔ فهل من مدكر ؟ کوئی غور و فکر کرنے والا ؟۔

بائیبل کی کتابوں پر ایک نظر

عیسائیوں کے دو فرقوں' پروٹسٹینٹ اور کیتھولک کی بائیبلز ایک دوسری سے قدرے مختلف ہیں۔ اول الذکر کی بائیبل درج ذیل ۳۹ کتابوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ پیدائش ۲۔ خروج ۳۔ احبار ۴۔ گنتی ۵۔ استثنا ۶۔ یشوع ۷۔ قضا ۸۔ روت
۹۔ ۱۔ سموئیل ۱۰۔ ۲۔ سموئیل ۱۱۔ ۱۔ سلاطین ۱۲۔ ۲۔ سلاطین ۱۳۔ ۱۔ تواریخ ۱۴۔ ۲۔ تواریخ
۱۵۔ عزرا ۱۶۔ نحمیاہ ۱۷۔ آستر ۱۸۔ ایوب ۱۹۔ زبور ۲۰۔ امثال ۲۱۔ واعظ ۲۲۔ غزل الغزلات
۲۳۔ یسعیاہ ۲۴۔ یرمیاہ ۲۵۔ نوحہ ۲۶۔ حزقی ایل ۲۷۔ دانی ایل ۲۸۔ ہوسیع
۲۹۔ یوایل ۳۰۔ عاموس ۳۱۔ عبدیاہ ۳۲۔ یوناہ ۳۳۔ میکاہ ۳۴۔ ناحوم ۳۵۔ حبقوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۶۔صفنیاہ ۳۷۔حجی ۳۸۔زکریاہ ۳۹۔ملاکی

ثانی الذکر کی بائیل میں مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ بارہ (۱۲) مزید کتابیں شامل ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ طوبیاہ (یا توبت) ۲۔ یہودیت

۳۔ استیر کا بقیہ حصہ (باب ۱۰ کی آیت ۴ سے باب ۱۶ تک)

۴۔ حکمت۔ ۵۔ یشوع بن سیراخ۔

۶۔ باروک۔ ۷۔ ارمیا کا خط

۸۔ تین جوانوں کا گیت (دانی ایل باب ۳ آیت ۲۴ سے آیت ۹۰ تک)

۹۔ تذکرہ سوسن۔ (دانی ایل باب ۱۳)

۱۰۔ تذکرہ بال اور اژدھا (دانی ایل باب ۱۴)

۱۱۔ ۱۔ مکابیین۔

۱۲۔ ۲۔ مکابیین

مسیحی علماء ان کتابوں کو اپاکرفا (Apocrypha) کہتے ہیں۔ یہ ایک یونانی لفظ ہے جسکا معنی پوشیدہ اور چھپا ہوا کیا جاتا ہے۔ ایف ایس۔ خیر اللہ لکھتے ہیں،

"یہ ایک اصطلاح ہے۔ جس سے وہ کتب مراد ہیں جو ابتدائی کلیسیا کے زمانے میں غیر معروف اور مبہم تھیں اور جن کی تلاوت عام عبادت میں لوگوں کے سامنے نہیں کی جاتی تھی۔ بعد ازاں جب پرانے عہد نامہ کی کتابوں کی فہرست مسلمہ متعین ہوئی تو ان کتابوں کی قدر و قیمت کم ہوگئی اور انہیں غیر الہامی قرار دیا گیا۔ تاہم رومن کیتھولک کلیسیا نے ۱۵۶۳ء میں کونسل آف ٹرینٹ کے فیصلے کے مطابق انہیں بائیبل میں شامل کر لیا یہ کتابیں ولگیٹ ترجمہ میں تو ہیں لیکن یہودی اور پروٹسٹینٹ کلیسیا کی فہرست مسلمہ میں نہیں۔ کیونکہ وہ انہیں غیر مستند اور غیر ملہم سمجھتے ہیں۔

اصلاح کلیسیا کے وقت سے پروٹسٹنٹ کلیسیائیں ان کو الہامی نہیں مانتیں۔ لیکن بعض پروٹسٹنٹ کلیسیائیں بزرگ جیروم کے قول کے مطابق انہیں چال چلن کے نیک نمونے اور اخلاق کی درستی کے لئے پڑھنے کی اجازت دیتی ہیں۔ لیکن عقائد کے ثبوت کے لئے انہیں سند نہیں مانتیں"۔ (۱۴۴)

پادری جی ٹی مینلی لکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپاکرفا بمعنی پوشیدہ یا چھپا ہوا ہونا۔ اصل میں ان چودہ کتابوں کو کہتے ہیں جو ولگیٹ میں تو ملتی ہیں لیکن کتب مقدسہ کی عبرانی فہرست مسلمہ میں موجودہ نہیں ہیں۔

اس بات کا ہمارے پاس کافی ثبوت ہے کہ یہ کتابیں کسی زمانہ میں بھی یہودی کتب مقدسہ میں شمار نہیں کی گئیں اور نہ ہی سن عیسوی کے آغاز میں انہیں مسیحیوں اور یہودیوں نے الہامی کتب تسلیم کیا۔ میسورٹک متن میں انہیں کوئی جگہ نہیں دی گئی اور نہ ہی عبرانی یا ارامی زبان میں انکی کوئی تفسیر کی گئی ہے۔ عہد جدید میں انکا کوئی ذکر نہیں ہمیں انکے مصنفین کا کوئی علم نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو وہ ہفتاوی ترجمہ میں مندرج نہیں تھیں لیکن بعد ازاں نہیں منقول جلدوں میں شامل کر کے مناسب جگہ میں مرتب کردیا گیا۔ اسی لئے جیروم نے انہیں ولگیٹ میں شامل کر لیا۔

یہ کتب اپنی خصوصیات اور قدر و قیمت میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ ان میں کہیں صحیح تاریخ اور بلند خیالات پائے جاتے ہیں اور کہیں فضول قصے کہانیاں اور غیر دلچسپ تحریریں ۔۔۔۔۔۔۔ اصلاح کرنے والے اصحاب نے ان کتابوں کو عہد عتیق سے بالکل علحدہ کردیا۔ لیکن انہوں نے انکے چند حصہ جات مثلاً اخلاق کی تعلیم وعظ اور نصیحت گیت اور دوسری تحریروں کو عبادت خانوں میں پڑھنے کی اجازت دی تاکہ سامعین کے لئے مفید ثابت ہوں"۔ (۱۴۵)

ان دو اقتباسات سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ اپاکرفا کا لفظ پوشیدہ، مبہم اور غیر معروف کتابوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

۲۔ پادری بیلی کے قول کےمطابق ان کتابوں کی تعداد چودہ ہے غالباً انہوں باروک اور ارمیا کا خط کو ایک کتاب شمار کیا ہے حالانکہ نئی انگریزی بائیبل کے مطابق یہ دونوں الگ الگ ہیں۔ اسطرح ان تمام کتابوں کی تعداد پندرہ بنتی ہے

۳۔ اپاکرفا کو یہودیوں نے قبول نہیں کیا۔ نہ صرف عبرانی متن میں بلکہ تراجم بھی انہیں شامل نہیں کیا گیا اور ان سے وعظ و نصیحت کا کام بھی نہیں لیا جاتا۔

۴۔ پروٹسٹنٹ علماء کی اکثریت نے انہیں غیر الہامی اور غیر مستند قرار دیا ہے۔

۵۔ ایک قدیم مسیحی عالم جیروم نے انہیں بائبل کے لاطینی ترجمے (ولگیٹ) میں شامل کر لیا اور وضاحت کی کہ یہ کتابیں غیر الہامی ہیں لیکن نصیحت کے طور پر ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۶۔ ۱۵۶۳ء میں رومن کیتھولک علماء نے کونسل آف ٹرینٹ کے فیصلے کی رو سے ان میں سے بارہ کتابوں کو نہ صرف الہامی تسلیم کیا بلکہ انہیں بائبل میں شامل کر لیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ پروٹسٹنٹ فرقے کی ماضی قریب میں شائع ہونے والی نئی انگریزی بائیبل کے ایڈیشن ۱۹۷۴ء میں اپاکرفا کی مکمل پندرہ کتابیں شامل کرلی گئی ہیں اورانھیں پرانے عہد نامہ کے بعد اور نئے عہد نامہ سے پہلے درج کیا گیا ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ایسڈرس(Esdras)

۲۔ایسڈرس(Esdras)

۳۔ توبت (Tobit)

۴۔یہودیت (Judith)

۵۔آستر کابقیہ حصہ(The rest of chapters of the book of Esther)

۶۔ حکمت سلیمان(The Wisdom of Solomon)

۷۔واعظ (یایشوع بن سیراخ) (Ecclesiosticus)

۸۔باروک(Baruch)

۹۔ یرمیاہ کاخط(A letter of Jeremiah)

۱۰۔ تین جوانوں کا نغمہ (The Songs of Tree)

۱۱۔دانی ایل اور سوسنا کی داستان(Daniel and Susanna)

۱۲۔دانی ایل بعل اوراژدھا کی کہانی(Daniel, Bel and the Snake)

۱۳۔منسی کی دعا(The Prayer of Manasseh)

۱۴۔۱ مکابیین(Maccabees)

۱۵۔۲۔ مکابیین(Maccabees)

(تفصیلات کے لئے دیکھئے The New English Bible مطبوعہ ۱۹۷۴صفحہ ۱۱۶۶کے بعد)

پروٹسٹنٹ اور کیتھولک بائیلز کا یہ فرق بہت واضح ہے اورل الذکر کے نزدیک اپاکرفا پر مشتمل کتابیں الہامی نہیں ہیں۔اگر انھیں کتاب مقدس میں شامل کیا جاتا ہے تو وضاحت کردی جاتی ہے کہ یہ کتابیں غیر الہامی ہیں لیکن ثانی الذکر انھیں الہامی مانتا ہے۔ ان میں اور بائیبل کی دوسری کتابوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھتا۔اس کے برعکس قرآن ہر دور میں ایک رہا ہے۔اگرچہ (بدقسمتی سے) مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور ایک دوسرے پر تنقید بھی کرتے رہتے ہیں لیکن بایں ہمہ ان سب کے پاس یکساں قرآن ہے۔نزول قرآن سے لے کرآج تک دنیا کے کسی خطے میں دو مختلف قرآن نہیں پائے گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وقت دنیا میں موجود قرآن کے قدیم ترین نسخوں کا جدید ترین نسخوں کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھے ۔آپ سب کو یکساں پائیں گے ۔ اگر کسی شخصکو قرآن کے دو مختلف نسخے ملے ہوں تو وہ اس ”تاریخی انکشاف“ سے دنیا کو ضرور آگاہ کرے۔

یحرّفون الکلم عن مواضعه

قرآن حکیم نے صدیوں قبل یہ انکشاف کیا تھا کہ اہل کتاب (یہودی اور نصرانی) اپنی کتابوں میں تحریف کرتے ہیں ۔انہوں نے اللہ کے کلام کو بگاڑ دیا ہے ۔اپنی طرف سے کتابیں لکھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے اور اسکے عوض ثمن قلیل کماتے ہیں اپنی طرف سے کتاب لکھنے کا ایک ثبوت اپاکرفا کی کتابیں ہیں۔ جنہیں عیسائیوں کی ایک کثیر تعداد غیر الہامی قرار دیتی ہے اور ایک بڑا فرقہ انہیں الہام خدا مانتا ہے ۔صدیوں پر محیط اس اختلاف کا آج تک فیصلہ نہ ہو سکا کہ اپاکرفا کی اصل حقیقت اور حیثیت کیا ہے ۔تحریف کی ایک ضرورت یہ بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ اہل کتاب جن کتابوں کو الہامی مانتے ہیں ان میں سے کچھ آیات کو غیر الہامی قرار دے کر متن سے خارج کر کے حاشیے میں درج کر دیتے ہیں ۔اس تحریف کی کچھ مثالیں نئی انگریزی بائیبل (The New English Bible) میں ملتی ہیں اس بائیبل کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں منظر عام پر آیا تھا اسے چرچ آف انگلینڈ اور چرچ آف سکاٹ لینڈ کے علاوہ دس دیگر چرچز اور بائیبل سوسائیٹز کی حمایت حاصل ہے ۔اس نئی بائیبل میں مختلف مقامات سے ۳۶ آیات کو متن سے نکال کر حاشیے میں درج کیا گیا ہے ۔اس عمل سے ان آیات کی الہامی حیثیت مشکوک ہو گئی ہے ۔ان مقامات کی تفصیل درج ذیل ہے :۔

نمبر شمار	کتاب کا نام	باب : آیت	نمبر شمار	کتاب کا نام	باب : آیت
۱۔	یشوع	۱۳ : ۸	۲۔	ا۔سلاطین	۶:۱۵
۳۔	ایوب	۴ :۱۴	۴۔	ایوب	۱۳ : ۳۷
۵۔	ایوب	۴:۴۲	۶۔	زبور	۱۴:۵۹
۷۔	زبور	۸:۱۴۴	۸۔	یسعیاہ	۱۵:۹
۹۔	یرمیاہ	۱۳:۱۵	۱۰۔	یرمیاہ	۱۴:۱۵
۱۱۔	حزقی ایل	۱۴:۱	۱۲۔	حزقی ایل	۳۰:۴۰
۱۳۔	ہوسیع	۷:۱	۱۴۔	متی	۳۴:۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔	متی	۳:۱۶	۱۶۔	متی	۲۱:۱۷
۱۷۔	متی	۱۱:۱۸	۱۸۔	متی	۴۴:۲۱
۱۹۔	متی	۱۴:۲۳	۲۰۔	مرقس	۱۶:۷
۲۱۔	مرقس	۴۴:۹	۲۲۔	مرقس	۴۶:۹
۲۳۔	مرقس	۲۶:۱۱	۲۴۔	مرقس	۲۸:۱۵
۲۵۔	لوقا	۳۶:۱۷	۲۶۔	لوقا	۲۰:۲۲
۲۷۔	لوقا	۶۲:۲۲	۲۸۔	لوقا	۱۷:۲۳
۲۹۔	لوقا	۱۲:۲۴	۳۰۔	لوقا	۴۰:۲۴
۳۱۔	یوحنا	۴:۵	۳۲۔	اعمال	۳۷:۸
۳۳۔	اعمال	۳۴:۱۵	۳۴۔	اعمال	۷:۲۴
۳۵۔	اعمال	۲۹:۲۸	۳۶۔	رومیوں	۲۴:۱۶

اسی پر بس نہیں بلکہ اس نئی بائیبل میں اڑتیس مقامات پر متعدد آیات کو آگے پیچھے درج کر کے ان کی پرانی مروجہ ترتیب بدل دی گئی ہے۔ مثلاً :

ایوب : باب ۳۹ آیات ۱، ۲ تا ۲۹، ۳۰ باب ۴۱ آیات ۱ تا ۶ باب ۴۰ آیات ۱، ۲ تا ۲۳، ۲۴ باب ۴۱ آیات ۷ تا ۳۳، ۳۴۔

پرانی مروجہ ترتیب کے مطابق باب ۳۹ کی آخری آیت ۳۰ کے بعد باب ۴۰ مکمل درج ہے اور اس کے بعد باب ۴۱ لکھا گیا ہے لیکن اس ترتیب میں ردوبدل کر کے (نئی بائیبل میں) ابواب ۳۹ اور ۴۰ کے درمیان باب ۴۱ کی ابتدائی ۶ آیات رکھ دی گئی ہیں۔ ایک قدم اور آگے بڑھائیے، اس نئی بائیبل کے مرتبین نے اکیاون (۵۱) مقامات پر انہیں جیسے مزید تصرفات کئے ہیں کہ ایک آیت کا ایک آدھ فقرہ لے کر اسے کسی اور آیت کے ساتھ منتھی کر دیا ہے۔ مثلاً کتاب ایوب کی درج ذیل دو آیات کو دیکھئے :

"ڈاکوؤں کے ڈیرے سلامت رہتے ہیں اور جو خدا کو غصہ دلاتے ہیں وہ محفوظ رہتے ہیں ان ہی کے ہاتھ کو خدا خوب بھرتا ہے"۔ ۶:۱۲

کتنی بار شریروں کا چراغ بجھ جاتا ہے اور اُنکی آفت اُن پر آپڑتی ہے!
اور خدا اپنے غضب میں اُنہیں غم پر غم دیتا ہے"۔ ۲۱:۷ (۱۴۶)

باب ۱۲ کی آیت ۶ کے آخری (خط کشیدہ) فقرے کو باب ۲۱ کی آیت ۱۷ کے بعد جوڑ دیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

While the marauder's tents are left undisturbed and those who provoke God live safe and sound. (12:6)

How often is the lamp of the wicked snuffed out, and how often does their ruin come upon them? How often does God in his anger deal out suffering, bringing it in full measure to whom he will? (21:17) (147)

تحریف

قرآن حکیم نے اہل کتاب کے بارے میں بتایا ہے "یُحرّفون الکلم عن مواضعہ"۔ (۱۴۸) وہ الفاظ کو ان کے موقع و محل سے پھیر دیتے ہیں۔ علامہ آلوسیؒ "تحریف" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "واصل التحریف امالۃ الشئی الی حرف ای طرف"۔ (۱۴۹) تحریف کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شئے کو اس کے صحیح رُخ سے موڑ کر دوسری سمت میں کر دینا۔ عرب کہا کرتے ہیں "حرّف القول" یا حرّف الکلام" اس نے بات یا کلام کو بدل دیا۔

تورات، زبور، انجیل اور دیگر صحائف ایک آسمانی امانت تھے ان کی حفاظت کرنا ان امتوں کا فرض تھا جنہیں یہ کتابیں ملی تھیں، قرآن حکیم نے اہل کتاب کی اس ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"انا انزلناالقوریۃ فیھا ھدی و نور یحکم بھاالنبیون الذین اسلمواللذین ھادوا والربّٰنیون والا حبار بما استحفظوامن کتب اللہ وکانوا علیہ شھداء" (۱۵۰)

(ترجمہ) بلا شبہ ہم ہی نے تورات اتاری ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق فرمانبردار انبیاء، ربانی علماء اور فقہاء، یہودیوں کے معاملات کے فیصلے کیا کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی کتاب کا محافظ بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔ لیکن یہودی اس مقدس امانت کی حفاظت کرنے میں بری طرح ناکام ہوئے۔ قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر یہودیوں کے اس جرم پر گرفت کی ہے حتیٰ کہ بائیبل کی اندرونی شہادتوں سے بھی یہودیوں کی اس مجرمانہ کارروائی کا پتہ چلتا ہے۔ یرمیاہ نبی نے احتجاج کیا تھا "قد حرفتم کلام الا لہ احی رب الجنود الھنا" (۱۵۱)

"تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے"۔ (۱۵۲)

اس کتاب میں پائے جانے والے متعدد تضادات اور بے شمار غلطیاں اس بات کی کھلی اور واضح دلیل ہیں کہ یہ کتاب اپنی اصلی حالت پر برقرار نہیں رہی، بلکہ اس سے بہت حد تک ہٹ گئی ہے۔ اسی کو قرآن حکیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے "تحریف" سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیت، کہ وہ کلمات (الفاظ) کو اپنی جگہ سے پھیر دیتے ہیں اس کے تحت تحریف کی جس قدر قسمیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب درست ہیں لیکن اس آیت کا ایک سیدھا سادہ سا معنی یہ بھی ہے کہ اہل کتاب اپنی کتابوں میں الفاظ اور آیات کو ان کی اصلی جگہ اور مقام سے ہٹا کر کہیں اور منتقل کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ماضی میں بھی تحریف کی یہ شکل رونما ہوئی ہو لیکن آجکل اس کا مصداق نئی انگریزی بائیبل (The New English Bible) بن رہی ہے۔ جس میں '

(الف) ۳۶ آیات کو متن سے نکال کر حاشیے میں درج کیا گیا ہے۔

(ب) ۳۸ مقامات پر متعدد آیات کو اصل مقام سے اُٹھا کر کسی اور مقام پر لکھا گیا ہے۔

(ج) ۵۱ مقامات پر مختلف آیات سے (مکمل یا نامکمل) متعدد فقرے الگ کر کے دوسری آیات کے ساتھ جوڑے گئے ہیں۔

اگر بائیبل کی پہلی ترتیب الہامی تھی تو یہ نئی ترتیب غیر الہامی اور ناجائز ٹھہرے گی اور اگر پہلی ترتیب مشکوک تھی اور اب اسے درست کیا گیا ہے تو کیا صدیوں تک ایک مشکوک اور غیر صحیح کتاب کی تلاوت ہوتی رہی؟ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن حکیم کو دیکھئے کہ یہ آج بھی اپنی اُسی اصلی شکل و صورت میں جلوہ گر ہے جس شکل و صورت میں رسول اللہ ﷺ نے اسے امت کے حوالے کیا تھا۔ اس میں کسی لفظ کا اضافہ ہوا نہ کمی۔ گو اس کی ترتیب نزول اور ترتیب تلاوت میں فرق ہے لیکن امت کو ترتیب تلاوت اپنانے کی تلقین کی گئی تھی، اس ترتیب میں چودہ صدیوں میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا اور آئندہ بھی ان شاء اللہ اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔ کیا کوئی انصاف پسند ان کھلے اور واضح شواہد کی موجودگی میں قرآن حکیم کی صحت اور بائیبل کی عدم صحت میں شک کر سکتا ہے؟

مقدس کتاب کے ساتھ کاتب کی اٹکھیلیاں

بائیبل ایک کتاب نہیں ہے بلکہ بقول کسے ایک لائبریری ہے جو ٦٦ (یا ۷۳ یا ۸۱) کتابوں پر مشتمل ہے۔ ماضی بعید میں اسے ایک مقام سے نقل کر کے دوسری جگہ لکھنا ایک مشکل کام تھا۔ کاتب خواہ کتنا ہی محتاط کیوں نہ ہو تا اس سے نقل اور کتابت میں غلطیاں سرزد ہو جاتی تھیں۔ چونکہ ان کتابوں کو حفظ کرنے کا رواج نہ ماضی میں تھا اور نہ اب ہے لہذا غلطی آسانی سے نہیں پکڑی جاتی۔ "کتاب مقدس" میں جو کچھ کاتب نے لکھ دیا وہ ساری تحریر مقدس اور تنقید سے بالاتر سمجھی جاتی تھی۔ علماء نے بہت کم غلطیوں کی اصلاح کرائی ورنہ بکثرت غلطیاں ابھی تک باقی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کی کتابت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کہیں کسی کاتب سے کوئی غلطی واقع ہوتی ہے تو پروف پڑھتے ہوئے اس کی تصحیح کر دی جاتی ہے۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں قرآن شریف کی صحیح کتابت اور درست پروف ریڈنگ پر خصوصی توجہ دی گئی تھی، جس کا اثر یہ ہے کہ آج کوئی نسخہ قرآن قراء حضرات اور مستند پروف ریڈرز کی تصدیق کے بغیر شائع نہیں کیا جاتا۔ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی قرآن حکیم کی اشاعت کے سلسلے میں سخت احتیاط برتی جاتی ہے لیکن بائیبل کی کتابت کا معاملہ قرآن حکیم سے مختلف ہے۔ اگر ماضی میں کسی کاتب سے کوئی لفظ غلط لکھا گیا تھا تو اس کی اصلاح نہیں کی گئی بلکہ وہ غلطی صدیوں تک نقل ہوتی چلی گئی۔ اگر کبھی کسی عالم نے کسی غلطی کی نشاندہی کی تو اس کی اصلاح فقط حاشیے میں کی گئی اور متن میں اس غلطی کو بدستور باقی رکھا گیا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف مسیحی علماء بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ پادری برکت اللہ لکھتے ہیں :

> "ان یہودی مدرسوں کے استادوں نے مختلف قرأتوں کو اکٹھا کیا جب وہ نسخہ میں کوئی غلطی دیکھتے تھے تو وہ متن کو درست نہیں کرتے تھے بلکہ صحیح لفظ کو حاشیہ پر لکھ دیتے تھے"۔ (۱۵۳)

ایف۔ ایس خیر اللہ لکھتے ہیں :

> "اگر کسی نسخہ میں کتابت کی غلطی ہو تو پاک متن سے احترام کی وجہ سے اس کو نقل کرتے وقت جوں کا توں لکھ دیا جاتا تھا اور حاشیہ میں صحیح عبارت اور ہدایت کی جاتی تھی کہ متن کی بجائے حاشیہ کی عبارت پڑھی جائے"۔ (۱۵۴)

یہ بات ناقابل فہم ہے کہ متن میں غلطی باقی رکھ کر صرف حاشیہ میں اس کی اصلاح کر دی جاتی تھی۔ اس قسم کی غلطیوں کی چند مثالیں پال ارنسٹ نے اپنی کتاب "خدا کی بات" میں لکھی ہیں۔ ان میں سے دو مثالیں انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ کریں :

> "۲۔ اخبار (۲ تواریخ) ۲۲ : ۲ میں لکھا ہے کہ اخزیاہ بیالیس سال کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا مگر جب اس کا باپ یہورام مرا تو اس کی عمر اس وقت چالیس سال تھی۔ گویا اس وقت وہ اپنے باپ سے بھی دو سال بڑا تھا۔ بائیبل مقدس کی اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۲ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہے اصل میں یہاں ۲۲ تھا، ملاحظہ ہو اخزیاہ ۲۲ برس کا تھا جبکہ بادشاہ ہوا' ۲ ملوک (۲ سلاطین) ۸ : ۲۶ پس ۲۔ اخبار ۲۲ : ۲ میں کاتب نے ۲۲ کی بجائے ۴۲ لکھ دیا اور اس سے ایسی مکروہ غلطی واقع ہوئی کہ بیٹے کی عمر باپ سے بھی بڑھ گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت سے ناواقف معترض یہی کہتے ہیں کہ یہ بائیبل کی کیسی نامعقولیت ہے لیکن یہ بائیبل کی نامعقولیت نہیں بلکہ بائیبل کے نقل نویس کی کتابت کی غلطی ہے۔ جس طرح کاتبوں سے کتابت کی غلطی ہو جانا قدرتی بات ہے اُسی طرح اُن کی تصحیح اور اصلاح کی لینا بھی قدرتی بات ہے۔ چنانچہ کیتھولک اردو ترجمے میں اس کی تصحیح کردی گئی ہے"۔(۱۵۵)

پال ارنسٹ نے بائیبل پر کئے جانے والے اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن بات بن نہیں سکی اور اعتراض بدستور قائم ہے۔ ہمارااعتراض صرف اس قدر ہے کہ مقدس کتاب میں غلطی کو جان بوجھ کر باقی رکھنے میں کیا حکمت ہے ؟اور متن میں اس کی تصحیح سے گریز کیوں کیا جاتا ہے ؟ ہم نے یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ کاتب نے غلطی کیوں کی ؟ کتابت کی غلطیاں پکڑی جاتی ہیں نہ انکی بنیاد پر کسی کو موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ کتابت کی غلطیوں کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود کتاب کی۔ ہر دور میں کتابوں کے ساتھ کاتب کی اٹکھیلیاں ہوتی چلی آئی ہیں اگرچہ اہل علم ان کی پروا نہیں کرتے لیکن محتاط مصنفین اپنی نگرانی میں پروف ریڈنگ کراتے ہیں اور کتاب کی طباعت سے پہلے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں اغلاط سے پاک اور معیاری کتاب پہنچے اگر طباعت کے بعد کسی غلطی کا علم ہوتا ہے تو قاری اپنے نسخے کی خود اصلاح کر لیتا ہے یا نشاندہی کرنے پر (اگلے ایڈیشن میں) ناشرین کی طرف سے اس کی تصحیح کردی جاتی ہے۔ مثلاً ۱۹۷۰ء سے قبل کلام اقبالؒ میں "آذر" کو "آزر" لکھا جاتا تھا جو کسی طرح درست نہیں تھا۔ مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے اس غلطی کی نشاندہی کی تھی چنانچہ نئی کتابت کے وقت اس غلطی کو درست کیا گیا۔ اسی طرح باقی کتابوں کا معاملہ ہے لیکن مقدس کتابوں کا معاملہ انتہائی احتیاط کا متقاضی ہوتا ہے کیونکہ ان پر کروڑوں اور اربوں انسانوں کے ایمان کی بنیاد ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص غلط بات اور جھوٹی تحریر پر ایمان نہیں رکھ سکتا۔ پال ارنسٹ کہتے ہیں "کیتھولک اُردو ترجمے میں اس (غلطی) کی تصحیح کردی گئی ہے"۔ انہوں نے صرف اپنے فرقے کی طرف سے صفائی پیش کی ہے لیکن دوسرے فرقے (پروٹسٹینٹ) کی بائیبل میں (ہماری معلومات کے مطابق) کنگ جیمس کے دور (۱۶۱۱ء) سے اب تک یہ "مکروہ غلطی نقل در نقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ بعض مسیحی علماء اس قسم کی غلطیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم انہیں نہیں چھیڑتے۔ ورنہ اہل اسلام کہیں گے کہ مسیحیوں نے بائیبل میں تبدیلی کردی ہے۔ واللہ ! ہم مسیحیوں پر یہ الزام نہیں دھریں گے کہ انہوں نے کتابت کی غلطیوں کی اصلاح کر کے کوئی غلطی کی ہے۔ ہمارااعتراض کاتب کی صرف ان غلطیوں پر ہے جن کی اصلاح نہیں کی گئی اور وہ متن میں ابھی تک باقی ہیں نیز ہمارااعتراض ان غلطیوں پر بھی ہے جو کاتب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں بلکہ خود مصنف سے سرزد ہوئی ہیں۔ مثلاً انبیاء کرام پر گھناونے الزامات اور ان پر تہذیب و شرافت سے گرے ہوئے افعال کی تہمت لگانا کاتب کی حرکت نہیں بلکہ مصنف کی لغزش ہے یا کسی غلط روایت کو صحیح سمجھ کر مقدس کتاب میں درج کر دیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت لوطؑ اور انکی دو بیٹیوں کی طرف منسوب غار کا واقعہ، جسکی تفصیل لکھنے سے قلم قاصر ہے۔ اس واقعہ کو (بائیبل میں) پڑھ کر ہر شخص کانپ اٹھتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا انبیاء کرام سے ایسی گری ہوئی حرکت سرزد ہو سکتی ہے؟ حتی کہ بائیبل پر ایمان رکھنے والے لوگ بھی اسے ایک افسوسناک فعل قرار دیتے ہیں۔ ایف ایس خیر اللہ لکھتے ہیں۔

"اس غار میں ایک نہایت افسوسناک بات واقع ہوئی"۔ (۱۵۶)

پس ہم بھی اس قسم کی افسوسناک اور شرمناک باتوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ الہامی کتابوں کو اس قسم کے مواد سے پاک ہونا چاہیئے ورنہ کاتب کی غلطیوں اور ان کی اصلاح پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

دوسری مثال:

کیتھولک بائیبل میں حضرت آدمؑ کے بارے میں لکھا ہے آدمؑ ایک سو تیس برس کا تھا کہ اسکا ایک بیٹا اسکی صورت پر اور اسکی مانند پیدا ہوا۔ اس کا نام اس نے شیت رکھا اور شیت کی پیدائش کے بعد آدمؑ آٹھ سو برس جیتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں آدمؑ کے کل ایام زندگی نو سو برس ہوئے۔ تب وہ مر گیا"۔ (۱۵۷)

حضرت آدمؑ کی عمر (اس اسرائیلی روایت کے مطابق) نو سو تیس برس بنتی ہے لیکن متن میں نو سو برس لکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ اسکی نشاندہی کرتے، اور اسکی تصحیح کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے پال ارنسٹ لکھتے ہیں۔

"اس ترجمہ (کیتھولک بائیبل کا موجودہ اردو ترجمہ) میں تکوین کے پانچویں باب کی پانچویں آیت میں آدمؑ کی عمر نو سو برس لکھی ہے لیکن یہاں نو سو تیس برس ہونا چاہیئے۔ یہ مترجمین کی غلطی نہیں بلکہ کاتب کی غلطی ہے۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی چھپ چکا ہے لیکن اس غلطی کی اصلاح نہیں کی گئی۔ تیسری آیت میں ہے کہ شیت کی پیدائش کے وقت آدمؑ ایک سو تیس برس کا تھا۔ چوتھی آیت میں ہے کہ اسکی پیدائش کے بعد آدمؑ آٹھ سو برس جیتا رہا اور پانچویں آیت میں نو سو تیس برس ہونا چاہیئے لیکن کاتب کی غلطی سے نو سو برس لکھا ہے۔ اگلے ایڈیشن میں کتابت کی غلطیوں کی صحت ضرور ہونا چاہیئے"۔ (۱۵۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتابت کی اس قسم کی غلطیوں کو مسیحی علماء جانتے ہیں انکا فرض ہے کہ وہ انکی اصلاح بھی کرتے رہیں لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ جو لفظ ایک بار متن میں ثبت ہو گیا وہ پتھر پر لکیر بن گیا اگرچہ غلط ہی کیوں نہ ہو اب اسے کسی صورت نہیں چھیڑا جائے گا۔ اگرچہ کبھی کبھی ایسی غلطیوں کی اصلاح بھی کی جاتی ہے لیکن شاذو نادر ہی ورنہ اکثر غلطیاں اسی طرح باقی ہیں جس طرح وہ شروع میں تھیں۔ اب دیکھئیے پال ارنسٹ کی ہدایت پر کیتھولک بائیبل کے اردو ترجمے میں حضرت آدمؑ کی صحیح عمر کب لکھی جاتی ہے۔

قرآن حکیم میں کتابت کی ایسی غلطیاں نہیں ملتیں جو صدیوں تک باقی رہیں اور کسی کو پتہ نہ چلے۔ اگر خدانخواستہ کسی نسخے میں کاتب سے کوئی لفظ غلط لکھا جائے یا اعرابی غلطی سرزد ہو تو پروف ریڈرز اسکی نشاندہی کرتے اور اصلاح کراتے ہیں۔ بالفرض ان سے بھی بھول چوک ہو جائے (جسکا پاکستان میں امکان بہت ہی کم ہے) تو پڑھنے والے حافظ اور قاری اسکی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور ناشر سے رابطہ قائم کر کے اسکی اصلاح کرائی جاتی ہے۔ تاج کمپنی لمیٹڈ نے کراچی میں منگھو پیر کے علاقے میں قرآن حکیم کی تصحیح کے لئے ایک خاص شعبہ قائم کیا ہوا ہے۔ راقم الحروف کو بھی وہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہاں جید علماء کرام کی زیر نگرانی قرآن حکیم کے کتابت شدہ اوراق کی جانچ پڑتال کا کام کیا جاتا ہے اور دوسرے شہروں میں بھی حکومت کی طرف سے پروف ریڈرز مقرر ہیں انکی موجودگی میں ناممکن ہے کہ کسی نسخہ قرآنی میں کوئی کتابت کی غلطی باقی رہ جائے مزید برآں سال میں ایک بار تراویح میں مکمل قرآن حکیم مسلمانوں کو سنایا جاتا ہے۔ اگر قاری پڑھتے ہوئے کوئی غلطی کرے تو ایک آٹھ دس سال کا بچہ بھی اس کی اصلاح کر سکتا ہے۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ قرآن میں کوئی غلطی پائی جائے، اس پر صدیاں بیت جائیں، لوگ اسے صحیح سمجھ کر تلاوت کرتے رہیں اور کسی کو اس غلطی کا پتہ نہ چلے، کیا بائیبل بھی اس معیار صحت پر پورا اتر سکتی ہے ؟ جہاں بائیبل پڑھی جارہی ہو اور پڑھنے والا کہیں غلطی کر جائے تو کیا سامعین محسوس کر سکتے ہیں کہ پڑھنے والے نے کوئی غلطی کی ہے ؟ اس کتاب (بلکہ کتابوں) کا آج تک کوئی حافظ پیدا نہیں ہوا لہذا پڑھی جانے والی اور لکھی جانے والی بائیبل میں غلطیوں کی پہچان بہت مشکل ہے الا یہ کہ کوئی بہت ہی ماہر شخص بائیبل کے مختلف نسخے سامنے رکھ کر ان غلطیوں کو تلاش کر سکے ورنہ معمولی علم والے اور عام لوگ غلط اور صحیح میں امتیاز نہیں کر سکتے۔

بائیبل پر تنقید صرف آج ہی نہیں ہو رہی بلکہ ماضی میں بھی کی جاتی تھی۔ قرآن نے بھی اہل کتاب کے ان صحیفوں اور نوشتوں پر گرفت کی ہے یہ گرفت اعتراض برائے اعتراض نہیں بلکہ تعمیری ہے اور انصاف پسند لوگ، بشمول مسیحی علماء اس تعمیری تنقید کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ پادری جی۔ ٹی۔ مینلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھتے ہیں :

"اگر تنقید کرتے وقت غیر جانبداری کا اچھی طرح خیال رکھا جائے تو بائیبل کی تنقید خواہ وہ متنی ہو خواہ معنوی، نہ صرف جائز بلکہ قابل تعریف بھی ہے۔ بشرطیکہ مؤدبانہ اور عالمانہ طریقِ کار استعمال کیا جائے"۔(۱۵۹)

یہ پادری صاحب کی وسیع الظرفی ہے کہ وہ تنقید بائیبل کو مستحسن سمجھتے ہیں لیکن مسیحی علماء میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے جو "کتاب مقدس" پر تعمیری تنقید کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

مقابل ہے آئینہ : گزشتہ صفحات میں ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ صحت کے جس مقام پر قرآن حکیم فائز ہے بائیبل اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اس "مقدس کتاب" میں پائے جانے والے تضادات، اغلاط اور غلط روایات کو مسیحی علماء بھی (غلط) تسلیم کر چکے ہیں اگرچہ بعض اغلاط کی تصحیح ہو چکی ہے لیکن متعدد مقامات کی اصلاح کا معاملہ ہنوز ہے۔ لہذا جس کتاب میں غلطیوں کا وجود ثابت ہو جائے اسے کوئی غیر جانبدار شخص صحیح قرار نہیں دے سکتا چہ جائیکہ اسے شک اور شبہ سے بالاتر ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کیا جائے۔

بائیبل کے متن میں پائے جانے والے تضادات اور اغلاط کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے موریس بوکائیے (Maurice Bucaille) لکھتے ہیں :

"ان جمع شدہ تسامحات، ناممکنات اور تضادات کے وجود کے سلسلے میں عیسائی مفسرین کا ردِ عمل جس رنگارنگی اور بو قلمونی کا مظہر ہے وہ خود نہایت حیران کن ہے۔ بعض مفسرین تو ان میں سے کچھ کو تسلیم کرتے ہیں اور ان پیچیدہ مسائل کو اپنی تحریروں میں سلجھانے کے لئے ہچکچاتے نہیں لیکن بعض وہ حضرات ہیں جو غیر تسلیم شدہ بیانات سے تو سرسری طور پر گزر جاتے ہیں اور متن کے لفظ لفظ کا دفاع کرنے میں کافی شدت برتتے ہیں۔ مؤخر الذکر جماعت کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ معذرتی انداز بیان اختیار کر کے لوگوں کو مطمئن کر دے۔ اُن کے بیانات میں ایسے دلائل کی بھرمار ہوتی ہے جو اکثر غیر متوقع ہوتے ہیں یہ اس امید میں پیش کئے جاتے ہیں کہ جو بات منطقی اعتبار سے ناقابل قبول ہو گی وہ جلد ہی ذہن سے فراموش ہو جائے گی"۔

موریس بوکائیے فادر ڈی واکس (Father de Vaux) کی ایک تحریر نقل کرتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یہ واقعہ کہ بائیبل دجلہ اور فرات کی وادیوں کے ایک دو تباہ کن سیلابوں کے تذکرہ کو دہراتی ہے اور روایت اس کو ترقی دے کر ایک عالمگیر تباہی کی شکل دے دیتی ہے، غیر اہم ہے۔ البتہ ضروری بات جو دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ لائق احترام مصنف نے اس یادگار میں انسان کے گناہ کے لئے خداوند قدوس کے عدل اور رحم اور دینداروں کے لئے نجات کی ابدی تعلیم کو سمودیا ہے"۔

فادر موصوف کی اس تحریر پر موریس بوکائیے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اس طریقہ سے ایک عوامی کہانی کو ایک دینی اور ربانی واقعہ کی شکل اختیار کرنے کیلئے جواز پیدا ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے روایت کو انسان کا عقیدہ بنا کر پیش کردیا جاتا ہے جس کے لئے اس اصول کو کام میں لایا جاتا ہے کہ فلاں مصنف نے اس واقعہ کو مذہبی تعلیمات کے لئے بیان کیا ہے۔ اس نوع کا معذرتی نقطۂ نظر اس آزادی کے لئے جواز پیدا کر دیتا ہے جو ان تحریروں میں اختیار کی ں ہے جن کو مقدس اور خدا کا کلام سمجھا جاتا ہے۔ اگر الہامی اور ربانی باتوں میں انسان کی اس طرح کی مداخلت کو جائز سمجھ لیا جائے تو بائیبل کے متون میں انسانی تحریفات و تصرفات کے لئے توجیہات کرلی جائیں گی۔ اگر اس سے کچھ دینی مقاصد حاصل کرنا ہیں تب تو تمام تحریفات جائز ہو جاتی ہیں چنانچہ "مرشدانہ" (Sacerdotal) متن کے چھٹی صدی کے مصنفین کے تمام تصرفات کے لئے جواز نکل آتا ہے۔

عیسائی شارحین و مفسرین کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جس نے بائیبل کے بیانات میں رونما ہونے والی غلطیوں، ناممکن باتوں اور تضادات کی صراحت کرنے کے لئے یہ عذر پیش کرنا بہتر سمجھا کہ بائیبل کے مصنفین نے ایک مختلف تہذیب یا ذہنیت کے معاشرتی عوامل کے مطابق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔۔۔۔۔۔ جہاں دونوں متنوں میں کچھ تضادات دکھائی دیتے ہیں یہ صراحت کردی گئی کہ ہر مصنف نے اپنے **مخصوص ادبی انداز میں اپنے خیالات کا** اظہار کیا ہے اس لئے یہ فرق رونما ہو گیا۔ **حقیقت میں یہ دلیل ایسی ہے کہ جس کو ہر کوئی تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں کوئی وزن نہیں ہے۔ لیکن یہ طریقہ آج بھی کلیۃً متروک** نہیں ہوا۔ چنانچہ ہم دیکھیں گے کہ عہد نامہ جدید میں اناجیل کے شدید اختلافات کی توضیح و تشریح میں اس کو نہایت فراخدلی سے برتا گیا ہے۔

ابتدائی پانچ صدیوں کے عیسائی مصنفین کے زمانہ میں متن پر تنقید کے مسائل کھڑے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ سینٹ اگسٹائین (Saint Augustine) نے ان کو اپنے خط نمبر ۸۲ میں اُٹھایا ہے۔اُن میں سے مندرجہ ذیل عبارت سب سے زیادہ مثالی ہے :

'صرف ان صحیفوں کے بارے میں جب کو مستند کہا گیا ہے مجھے یہ عقیدہ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ ان کے مصنفین نے ان کو لکھتے وقت کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا۔جب میں ان کتابوں میں بھی ایک ایسے بیان سے دوچار ہوتا ہوں جو حقیقت کی تردید کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے تو مجھے یہ سمجھنے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ یا تو میری کتاب کے نسخے کا متن ناقص ہے یا مترجم نے اصل کی پوری پیروی نہیں کی ہے اور یا میری فہم کا قصور ہے"۔

موریس بوکائیے سینٹ اگسٹائین کی اس تحریر پر یوں تبصرہ کرتے ہیں :

"سینٹ اگسٹائن کے لئے یہ بات ناقابل تصور بھی ہے کہ کسی مقدس تحریر میں کوئی غلطی ہو۔ سینٹ اگسٹائین نے نہایت صفائی سے خطاء سے مبرا ہونے کا یہ عقیدہ اس وقت پیش کیا جب اُن کے سامنے ایک ایسی عبارت آئی جو صداقت کی تردید کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ انہوں نے اس کا سبب معلوم کرنے کی طرف توجہ کی لیکن اس میں سے خطائے بشری کے نظریہ کو خارج کر دیا۔ تنقیدی نظر رکھتے ہوئے بھی ایک عقیدت مند کا یہ طرز عمل ہوتا ہے۔ سینٹ اگسٹائن کے زمانہ میں بائیبل کے متن اور سائنس کے درمیان مقابلہ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ آج کل کا اُن جیسا کشادہ دل انسان بائیبل کے بعض متون کی سائنسی معلومات کے مقابلے میں پیدا ہونے والی بہت سی مشکلات کو حذف کر دیتا ہے"۔

موریس بوکائیے نے دوسری ویٹیکن کونسل (Second Vatican Council 1962-65) میں شریک مسیحی علماء کی بائیبل پر بحث وتمحیص کے بارے میں لکھتے ہوئے ان کا ایک قول یہودی بائیبل (توراۃ) کے بارے میں بھی لکھا ہے :

"Certain books of the Jewish Bible have a temporary application and have something imperfect in them". (160)

یہودی بائیبل کے بعض صحیفے ایسے ہیں جو عارضی نوعیت کے ہیں اور ان میں کچھ ناقص حصہ ہے۔

اس کونسل میں بائیبل کے عبرانی متن پر تنقید کی گئی تھی اور اس کے کچھ اجزاء کو ناقص اور متروک قرار دیا گیا تھا۔ لیکن یہی ناقص اور متروک اجزاء مسیحی بائیبل میں ابھی تک شامل ہیں اور مختلف زبانوں میں ترجمہ کرتے ہوئے ان اجزاء کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ جس کتاب کی صحت کا یہ معیار ہو اس پر کوئی کہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک اعتبار کرے، ایمان تو دور کی بات ہے اس کی صرف تلاوت بھی عام آدمی کے لئے مضر ثابت ہو سکتی ہے۔

موریس بوکائیے کو بائیبل کا مطالعہ کرتے ہوئے متعدد "تسامحات، ناممکنات، تضادات، اغلاط اور شدید اختلافات" کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ کلام ربانی میں کلام انسانی کی مداخلت ہوئی ہے۔ اس آمیزش سے بعض حقیقتیں مسخ ہو کر رہ گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ سائنس کے تسلیم شدہ نظریات اور حقائق سے متصادم ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم میں ناممکن باتیں اور حقیقت کے خلاف امور پائے جائیں یہی وجہ ہے کہ سینٹ اگسٹائن ایسے روشن ضمیر اور کشادہ دل انسان نے یہ اصول وضع کیا تھا کہ جو باتیں حقیقت کے خلاف ہوں ان کا کلام الٰہی ہونا ناممکن ہے۔ (۱۶۱)

بائیبل کے برعکس قرآن کے معاملے میں موریس بوکائیے کا نقطہ نظر (ایک آدھ رائے کو چھوڑ کر) حقیقت پر مبنی ہے۔ وہ اسے حضرت محمد ﷺ کی تصنیف قرار نہیں دیتے جیسا کہ دوسرے مغربی مصنف اسے آنحضور ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ موصوف قرآن کے بیشتر مضامین کو سائنسی حقائق اور مشاہدات سے ہم آہنگ پاتے ہیں۔ مغرب میں قرآن کے باب میں پائی جانے والی غلط فہمیوں پر گرفت کرتے اور متعدد اعتراضات اور بے سروپا اتہامات کے تسلی بخش جواب بھی دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

(الف) "قرآن کی ناقابل تردید صداقت کی بدولت ہی اس کا متن الہامی کتابوں میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے جس میں نہ عہد نامہ قدیم اور نہ عہد نامہ جدید اس کا سہیم و شریک ہے۔۔۔ کئی صدیوں کے دوران یہودی، عیسائی متون میں تحریفات ہوتی رہیں اور قرآن کے متن کو، جو زیادہ جدید ہے انسانی تحریفات کا بہت کم خطرہ رہا۔۔۔ کوئی بھی انجیل ایسی نہیں ہے جو یسوع کے زمانہ میں لکھی گئی ہو (وہ سب کی سب آپ کے دنیوی مشن کے اختتام کو پہنچنے کے عرصہ دراز کے بعد ضبط تحریر میں لائی گئیں)۔۔۔ جہاں تک قرآن کا معاملہ ہے اسکی صورت جداگانہ ہے۔ جب وحی کا سلسلہ جاری ہوا رسول اللہ ﷺ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں نے اس کے متن کو حفظ کر لیا۔ نیز آپ کے کاتبین نے اس کو لکھنا بھی شروع کر دیا۔ لہٰذا اس کا آغاز صحت و صداقت کے ان دو عناصر سے ہوا جو اناجیل کو حاصل نہیں تھے۔ یہ سلسلہ حضور ﷺ کی رحلت تک جاری رہا"۔ (۱۶۲)

(ب) "میں نے کئی مسلمان مصنفین کی ایسی کتابوں کو پڑھا جو قرآنی متن کے سائنسی پہلوؤں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر لکھی گئی تھی۔ وہ کتابیں ان امور کی تفہیم میں میرے لئے بے انتہا مفید ثابت ہوئیں۔ جو بات اس نوعیت کے متن میں پہلے پہل سامنے آتی اور قاری کو چونکا دیتی ہے وہ ان موضوعات زیر بحث کی کثرت ہے، یہ موضوعات ہیں۔ تخلیق، فلکیات، زمین سے متعلق بعض مادوں کی تشریح، عالم حیوانات و نباتات، انسان کی تولید وغیرہ۔ جبکہ بائیبل میں فاحش غلطیاں دیکھنے میں آتی ہیں، قرآن میں مَیں ایک غلطی کا بھی پتہ نہیں چلا سکا ہوں۔ مَیں نے اس موقع پر توقف کر کے خود سے استفسار کیا، اگر کوئی بشر قرآن کا مصنف ہوتا تو وہ ساتویں صدی عسوی میں ایسے حقائق کس طرح بیان کر دیتا جو آج جدید سائنسی معلومات سے پوری طرح مطابقت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں"۔ (۱۶۳)

اس تحریر کے بعد موریس بوکائے نے اپنی کتاب میں پانچ صفحات پر محیط قرآن اور بائیبل کا ایک تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اسکے بعد موصوف لکھتے ہیں۔

مذکور الصدر جائزہ سے ان لوگوں کا نظریہ جو حضرت محمد ﷺ کو قرآن کا مصنف قرار دیتے ہیں بالکل بودا اور کمزور ثابت ہوتا ہے۔ ناخواندہ (امی) لوگوں میں ایک شخص ادبی محاسن کے لحاظ سے پورے عربی ادب میں کس طرح سب سے بڑا مصنف بن گیا؟ اس وقت وہ سائنسی نوعیت کے ایسے حقائق کیسے بیان کر سکتا تھا۔ جو اس زمانہ میں کسی بھی فرد بشر کے لئے ظاہر کرنا ممکن نہیں تھا۔ اور یہ سب بھی اس طرح کہ اس موضوع پر انکشافات کرنے میں ایک مرتبہ بھی خفیف سی غلطی کا ارتکاب نہ ہوا (۱۶۴)

ماضی میں قرآن حکیم کے قدیم اور جدید نسخوں کا تقابلی مطالعہ کثرت سے کیا گیا ہے ناقدین نے ایک ایک لفظ کو پرکھا اور جانچا ہے۔ انھیں **قرأت کے چند خفیف** سے اختلافات کے سوا تمام نسخوں میں یکسانیت نظر آئی۔ **موریس بوکائے لکھتے ہیں:**

"حضرت عثمان سے جن نسخوں کو **منسوب کیا جاتا ہے وہ تاشقند اور استنبول میں موجود ہیں۔** نقل کرنے میں ایک آدھ ممکنہ سہو سے قطع نظر اس وقت جو قدیم ترین نسخے معلوم ہیں اور پوری اسلامی دنیا میں دریافت ہوئے ہیں وہ یکساں ہیں یہی بات ان نسخوں پر بھی صادق آتی ہے جو یورپ میں محفوظ ہیں (پیرس کی نیشنل لائبریری میں ایسے پارے موجود ہیں جو ماہرین کی تحقیق کے بموجب آٹھویں اور نویں صدی عیسوی یعنی دوسری اور تیسری صدی ہجری تک پرانے ہیں) **متعدد قدیم متون جن کی موجودگی کا علم ہے سوائے خفیف سی تبدیلیوں کے سب کے سب آپس میں متفق ہیں اور ان تبدیلیوں سے بھی متن**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عام مفہوم پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا"۔(۱۶۴ب)

موریس بوکائیے نے جن "تبدیلیوں" کا ذکر کیا ہے ان سے انکی مراد قرأت کے اختلافات ہیں کیونکہ ناقدین اور مخالفین کو قرآن کے متعدد نسخوں کے تقابلی مطالعے سے انہیں اختلافات کے سوا کوئی اور اختلاف ملانہ کوئی تبدیلی دیکھنے میں آئی بصورت دیگر انہوں نے دنیا بھر میں پروپیگنڈا کر کے آسمان سر پر اٹھالیا ہوتا۔

مشک آں است کہ خود ببوید

قرآن مجید گزشتہ چودہ صدیوں سے دنیا بھر میں اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہے۔اس کی لاجواب سلاست اور بے نظیر فصاحت و بلاغت کے آگے بڑے بڑے زبان آور، چوٹی کے سخنور، اُستاد شعراء، پائے کے ادیب، سحر رقم قلمکار، محققین و نقاد سبھی سر نگوں ہیں۔سبعہ معلقہ کے شاعر بعید سے جب تازہ کلام کی فرمائش کی گئی تو کہنے لگے "أبعد القرآن"؟ کیا قرآن کے بعد بھی؟ (کوئی شاعری کی گنجائش باقی ہے؟) اپنے تو قتیل تھے ہی اس نے غیروں کو بھی گھائل کر کے چھوڑا ہے۔ولیم میور نے "Life of Mohammad" لکھی تھی۔اسمیں اس نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ پر رکیک حملے کیئے، ہنر کو عیب کے روپ میں پیش کیا، خوبیوں میں اس کی آنکھ عیوب تلاش کرتی رہی اور اس کا قلم انہیں اجاگر کرنے میں مصروف رہا۔بایں ہمہ قرآن کے باب میں ایک سچی بات اس کے قلم کی نوک پر آئی اور صفحہ قرطاس پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہوگئی۔سرسید مرحوم لکھتے ہیں :

"سب سے زیادہ سچی بات جو اُن کے قلم سے نکلی ہے وہ یہ ہے کہ، دُنیا میں غالباً کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جو بارہ سو برس تک ایسے خالص متن کے ساتھ رہی ہو"۔(۱۶۵)

ولیم میور کی مکمل عبارت ملاحظہ کیجئے :

"There is probably in the world no other workwhich has remained twelve centuries with so pure a text. The various readings are wonderfully few in number, chiefly confined indeed to differences in the wovel points and diacritical signs. But these invented at a later date, can hardly be said to affect the text of Othman". (166)

دنیا میں شاید کوئی دوسرا ایسا کام (کتابی شکل میں) نہیں ہے جو بارہ صدیوں تک ایسے خالص (تحریف سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاک) متن کے ساتھ باقی رہا ہو۔ مختلف قرأتوں میں بھی حیرت انگیز طور پر گنتی کے چند اختلافات ہیں جو حروف علت اور اعرابی اختلافات تک محدود ہیں۔ بلکہ یہ اختلافات بھی بعد میں پیدا ہوئے اور یہ کہنا مشکل ہے کہ ان اختلافات سے متن عثمانی متاثر ہوا ہوگا۔

World Book Encyclopedia کے مؤلفین قرآن حکیم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"The Koran is slightly shorter than the New Testament. It consists of verses grouped in to 114 chapters called Suras. The chapters vary in length from a few lines to several hundred verses. The Koran is written in rhymed Arabic. The language is especially rich, forceful and beautiful". (167)

قرآن عہد نامہ جدید سے قدرے کم ہے۔ یہ ایسی آیات پر مشتمل ہے جن کے مجموعے ۱۱۴ ابواب پر جنہیں سورتیں کہا جاتا ہے، محیط ہیں۔ یہ ابواب (سورتیں) پھیلاؤ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، یہ اختلاف چند سطروں سے کئی سو آیتوں تک چلا گیا ہے۔ قرآن مقفّی عربی میں تحریر ہے خصوصاً اس کی زبان پُر شکوہ، پُر زور اور دلفریب ہے۔

زبان کے بارے میں "rich" کے لفظ میں جو معنی و مفہوم پوشیدہ ہے وہ ''پُر شکوہ'' کے لفظ سے پوری طرح ظاہر نہیں ہوا اور نہ کوئی دوسرا مفرد لفظ (اردو میں) ایسا ہے جو اس کی صحیح ترجمانی کر سکے۔ انگریزی دان اصل عبارت سے جتنے محظوظ ہونگے اُتنے دوسرے نہیں ہو سکتے۔

والفضل ماشهدت به الاعداء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۱۴۔ صحیح بخاری۔ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ۔

۱۱۵۔ سورۃ المدثر۔ ۷۴/۲۵۔

۱۱۶۔ سورۃ الانفال ۸/۳۱۔

۱۱۷۔ سورۃ الطور ۵۲/۳۳، ۳۴۔

۱۱۸۔ سورۃ ھود ۱۱/۱۳۔

۱۱۹۔ سورۃ البقرۃ ۲/۲۳۔

۱۲۰۔ سورۃ الحاقۃ ۶۹/۴۱، ۴۲

۱۲۱۔ ایضا ۶۹/۴۲

۱۲۲۔ سورۃ التکویر ۸۱/۲۲۔

۱۲۳۔ سورۃ النجم ۵۳/۲

۱۲۴۔ سورۃ الذاریٰت۔ ۵۱/۵۲

۱۲۵۔ سورۃ النحل ۱۶/۱۰۳

۱۲۶۔ روح المعانی ج: ۱۴ص: ۲۳۳

۱۲۷۔ سیرت الرسول، محمد حسین ہیکل مصری

۱۲۸۔ بحوالہ تاریخ القرآن، اسلم ص: ۹، ۱۰

۱۲۹۔ ایضا

۱۳۰۔ جامع ترمذی۔

۱۳۱۔ میزان الاعتدال ج: ۲ ث ص: ۵۸۱

۱۳۲۔ مستدرک حاکم مع تلخیص ج: ۲، ص: ۶۱۵

۱۳۳۔ تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی ج ۶، ص: ۲۴۸

۱۳۴۔ سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانیؒ، طبع ۱۹۸۱ئ، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ج: ۱، ص: ۳۸

۱۳۵۔ ایضا، جلد: ۱، ص: ۵۳، ۵۵، ۵۸

۱۳۶۔ ایضا ج: ۱، ص: ۱۷۹

۱۳۷۔ ایضا ج: ۳، ص: ۵۳۶

۱۳۸۔ خدا کی کتاب، ہال ارنسٹ، کرائسٹ، کیٹکٹیکل سنٹر کراچی، طبع ۱۹۸۵ ص: ۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳۹۔ خدا کی زبان، پال ارنسٹ، کرائسٹ دی کنگ سمری کراچی طبع ۱۹۸۶ء ص: ۱۶، ۴۳

۱۴۰۔ یسوع ناصری، فادر آٹو پوسٹما، انٹرڈائی سیسن کا تھیکیکل کمیشن پاکستان بشپ ہاؤس، اورنگ زیب روڈ، ملتان طبع ۱۹۸۲ء، ص: ۸، ۹

۱۴۱۔ کلام مقدس (کیتھولک بائبل) سوسائٹی آف سینٹ پال روما ۱۹۵۸ء ص: ۱

۱۴۲۔ قاموس الکتاب، ایف۔ ایس۔ خیر اللہ، مسیحی اشاعت خانہ لاہور طبع ۱۹۸۴ء ص: ۲۶۷

۱۴۳۔ یسوع ناصری ص: ۳۰، ۳۱

۱۴۴۔ قاموس الکتاب ص: ۱۸

۱۴۵۔ ہماری کتب مقدسہ، پادری جی ٹی مینلی، اردو ترجمہ پروفیسر امام دین اور مسز کے ایل ناصر طبع ۱۹۸۱ مسیحی اشاعت خانہ لاہور، ص: ۶۸، ۶۹

۱۴۶۔ کتاب مقدس (اردو بائبل) پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور طبع ۱۹۶۲ء ص: ۵۰۲، ۵۱۰

۱۴۷۔ The New English Bible, 1974, P.572,583.

۱۴۸۔ سورۃ النساء ۴/ ۴۶، سورۃ المائدہ ۵/ ۱۳

۱۴۹۔ تفسیر روح المعانی ج: ۵ ص: ۴۶

۱۵۰۔ سورۃ المائدہ ۵/ ۴۴

۱۵۱۔ الکتاب المقدس (عربی بائبل) طبع ۱۹۸۰ء ارمیا ۲۳: ۳۶، ص: ۱۱۱۱

۱۵۲۔ کتاب مقدس (اردو بائبل) یرمیاہ ۲۳: ۳۶ ص: ۷۴۳

۱۵۳۔ صحت کتب مقدسہ، پادری برکت اللہ، پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور طبع ۱۹۶۸ء، ص: ۱۶۰

۱۵۴۔ قاموس الکتاب ص: ۷۴۸

۱۵۵۔ خدا کی بات، پال ارنسٹ، کرائسٹ دی کنگ سمیزی کراچی طبع ۱۹۸۶ء ص: ۷۱

۱۵۶۔ قاموس الکتاب ص: ۸۶۴

۱۵۷۔ **کلام مقدس، کیتھولک بائبل، تکوین ۵: ۳، ۴، ۵**

۱۵۸۔ **خدا کی کتاب ص: ۷۶**

۱۵۹۔ **ہماری کتب مقدسہ ص: ۷۱**

۱۶۰۔ **The Bible the Quran and Science, Maurice Bucaille, Begu** Aisha Bavany Wakf. Karachi. P.43 to 47.

۱۶۰۔ بائبل قرآن اور سائنس، موریس بوکائیے (اردو ترجمہ محترم ثناء الحق صدیقی) ادارۃ القرآن، لس بیلہ چوک کراچی طبع ۱۹۸۱ء ص: ۵۸ تا ۶۳

۱۶۱۔ بائبل قرآن اور سائنس (اردو ترجمہ) ص: ۶۴۔

۱۶۲۔ ایضاً ص: ۱۵۷، ۱۵۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۶۳۔ ایضاً ص: ۱۵۵،۱۵۶

۱۶۴۔(ب) ایضاً ص: ۱۶۳،۱۶۴

۱۶۵۔ الخطبات الاحمدیہ، سر سید احمد خان، ناشر ملک فضل دین کشمیری بازار لاہور طبع: ۱۸۷ ص: ۲۹۶

۱۶۶۔ The Life of Muhammad (peace be upon him) Sir William Muir,1923, p.xxii,xxiii (introduction)

۱۶۷۔ World Book Encyclopedia. V.11, P.291

© rasailojaraid.com